Scanned by CamScanner

علمی ادبی تحقیقی مجلہ

گیارھواں شمارہ
ستمبر ۲۰۰۴ تا مارچ ۲۰۰۵ء

مدیرہ : بیگم شاہین زیدی
نائب مدیر : اشرف شریف

مجلس یادگارِ نظیر حسنین زیدی
۵۸۔ہدایت اللہ بلاک، مصطفیٰ ٹاؤن، وحدت روڈ لاہور فون: ۵۴۳۰۴۴۶

سرورق = بشیر موجد

تعداد = دو ہزار

طباعت = داؤد بندگی پرنٹرز لاہور

حروف چینی = لبیب احمد فون: ۷۲۳۱۳۹۱

فی پرچہ مبلغ = ۶۰ روپے صرف (رعایتی قیمت)

زرِ سالانہ = ۲۶۰ روپے (عام ڈاک سے)

= ۳۲۰ روپے (بذریعہ رجسٹری)

= ۲۰ ڈالر (بیرونی ممالک کے لیے)

نمائندہ خصوصی برائے کراچی و اندرون سندھ

قاضی اختر جوناگڑھی بخشی اسکوائر فیڈرل ایریا، کراچی

مشیر قانونی: سید محمد اکرم زیدی، ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

الجید پلازہ، کمرہ نمبر ۳ فلور نمبر ۳ لنک فرید کوٹ روڈ لاہور فون: ۷۳۶۴۳۰۹

خط و کتابت کے لیے

مدیر مسئول نوادر، ۵۸ ہدایت اللہ بلاک، مصطفیٰ ٹاؤن لاہور، فون: ۵۴۳۰۴۴۶

فہرست مطالب

شخصیات

افسانوی ادب

شاعری

تبصرۂ کتب

آپ کے خطوط

صفدر ایم سہوترا

رات' اداسی اور ناصر کاظمی

ناصر کاظمی بیسویں صدی کے اردو شعری ادب کے ایسے درخشندہ ستارے ہیں جس کی تابناکی کبھی ماند نہیں پڑسکتی۔ دردوغم' سوز وگداز' اداسی اور انسانی کیفیات کو بیان کرنے میں میر تقی میر کے بعد ناصر کاظمی کا نام سرفہرست ہے۔ بعض ناقدین کی رائے میں ناصر کاظمی کو میر ثانی اور غالب کے قریب ترین قرار دیا گیا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں میر تقی میر کو ناصر کاظمی سے زیادہ شاید ہی کسی نے ڈوب کر پڑھا ہو۔ ہر چند ناصر کی غزلوں پر مصحفی' غالب' اقبال اور فراق کے اثرات بھی نظر آتے ہیں مگر ان سب سے زیادہ نمایاں میر تقی میر کا انداز ہے۔ ناصر کاظمی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے میر تقی میر کا مقلد ہونے کے باوجود اپنے نظریات وتصورات کو اپنے منفرد اور مخصوص لب و لہجے میں پیش کیا ہے لہٰذا اب ہم زیر گفتگو موضوع ''رات اور اداسی'' کو ان کی شاعری کے حوالے سے دیکھتے ہیں

رات اور اداسی بیشتر شعراء کو حیران اور پریشان رکھنے کا باعث بنتی ہیں۔ ناصر کاظمی واحد شاعر ہیں جن کے ہاں رات اور اداسی تخلیقی کاموں کا باعث بنتی ہیں۔ رات کے بارے میں ان کی شاعری ایسی ہے کہ اسے رات میں پڑھو تو پراسرار کیفیت اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ اداسی کی ایک فضا ہے لیکن یہ اداسی ایسی نہیں ہے جو چلتے قدموں کو تھام لے' جی چاہتا ہے اس اداسی کے خوبصورت غار میں اتر کر نئی دنیا دیکھیں اور خاموش و پرسکون فضا میں کچھ سوچیں۔

رات ناصر کو بے حد عزیز ہے۔ ان کی دلی آرزو ہے کہ دن کو سو کر اور رات کو جاگ کر

زندگی گزاری جائے۔ ان کے نزدیک دن ہنگاموں اور بے معنی مصروفیت کی چیز ہے جبکہ رات زندگی کی معنویت اور تخلیق کا منبع' راتوں کو دوستوں کی محفل میں لچھے دار گفتگو کرنا اور سڑکوں پر ٹہلنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان کی پوری زندگی سفر کا حاصل' ہجر کی راتوں کا طویل سلسلہ' اداسیوں کی مجسم تصویریں' سفر کی گرد اور زندگی کی بے حاصلی تھی۔ راتوں کو جاگنے کی عادت ناصر کو بچپن ہی سے تھی۔ رات کو جاگنے کے بارے میں ناصر کاظمی خود لکھتے ہیں:

''اصل میں رات میری شاعری میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی وجہ رات' اندھیری رات نہیں یا وہ جسے ہمارے شاعر ایک تاریکی کا استعارہ کہتے ہیں۔ رات تخلیق کی علامت ہے۔ دنیا کی ہر چیز رات میں تخلیق ہوتی ہے۔ پھولوں میں رس پڑتا ہے۔ خوشبوئیں رات کو جنم لیتی ہیں حتیٰ کہ فجر تک فرشتے رات کو اترتے ہیں۔ سب سے بڑی وحی بھی رات کو نازل ہوئی۔ ایک یہ بات' دوسری بات یہ ہے کہ تم نے جو ان راتوں کا ذکر کیا تو اب بھی راتیں جاگتی ہیں لیکن شہر سویا ہوا ہے......''[۱]

ناصر کاظمی کے نزدیک رات بہت اہمیت کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رات کا لفظ ان کی شاعری میں بار بار استعمال ہوا ہے۔ ناصر کو بچپن سے رات گئے جاگنے کی عادت تھی جیسا کہ ان کی خالہ صغراں بی بی نے کہا ہے کہ وہ راتوں کو جاگ کر نصاب تعلیم پڑھتا تھا اور پھر ایسا وقت آیا کہ نصاب تعلیم کی جگہ نصاب عشق نے لے لی۔ راتوں کو جاگنا' تارے گننا اور صبح کی چڑیوں کی آوازیں سننا اس کی زندگی کا معمول بن گیا تھا[۲]۔ ان کے رتجگے اور ان کی ذہنی کیفیت کے بارے میں انتظار حسین ''راوی'' میں لکھتے ہیں کہ رات جتنی بھیگتی جاتی' اس کی آنکھوں میں چمک اور اس کی آواز میں گرمی پیدا ہوتی جاتی۔ اس کا تخیل بہک کر کہیں سے کہیں نکل جاتا۔ میر کے شعر پڑھتے پڑھتے سودا کا کوئی دوہا یاد آ جاتا۔ علاوہ ازیں ناصر کو میرابائی کے بھجن بھی بے حد پسند تھے۔ ان کے نزدیک میرابائی اداسی کی بہن ہے۔ جب تڑکا ہونے لگتا تو ناصر چپ اداس اور بے چین ہونے لگتا۔

رات کو جاگنا ناصر کی زندگی کا معمول رہا۔ البتہ شادی کے بعد ان کی زندگی میں اتنا فرق آیا کہ پوری رات باہر گزارنے کے بجائے وہ رات کے دوسرے پہر گھر لوٹ آتے

تھے۔اس بارے میں ان کی زوجہ محترمہ بیگم شفیقہ کا کہنا ہے کہ ''راتوں'' کو دیر سے آنا ان کا معمول تھا مگر ہم اس کے عادی ہو چکے تھے[۵]۔

شادی کے بعد رات کے دوسرے پہر واپس گھر جانے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ گھر آ کر سو جاتے تھے بلکہ ان کے جاگنے کی عادت بدستور قائم رہی تھی۔ رات ناصر کاظمی کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف شاعری بلکہ اپنے نثری مجموعوں میں بھی رات کا ذکر بڑی تفصیل اور بڑے جذبے سے کیا ہے۔ احمد عقیل روبی' ناصر کی راتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ناصر کاظمی کا دن تو رات بارہ بجے طلوع ہوتا ہے۔ آخر ہم نے پڑھنا ہے ناصر کاظمی کے ساتھ چل پڑے تو یہ سب کچھ ناممکن ہے۔''[۶]

ناصر کاظمی رات کے لمحات کو بڑا اہم سمجھتے تھے ان کا مؤقف یہ تھا کہ رات کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ اسے چھت کے نیچے سو کر ضائع کیا جائے اور واقعی یہ بات سچ ہے کہ انہوں نے کوئی رات چھت کے نیچے برباد نہیں کی۔ ناصر کو رات سے اتنی محبت تھی کہ انہوں نے اپنے کمرے میں دن کے وقت بھی رات کا سماں ہی پیدا کر رکھا تھا۔ وہ رات کو زندگی کی مصروفیت اور تخلیق کا منبع سمجھتے تھے جیسا کہ ان کے اشعار سے بھی واضح ہے

گلشن فکر کی منہ بند کلی
شب مہتاب میں وا ہوتی ہے

رات بھر ہم نہ سو سکے ناصر
پردۂ خامشی میں کیا کچھ تھا

رات بھر جاگتے رہتے ہو بھلا کیوں ناصر
تم نے یہ دولت بیدار کہاں سے پائی

میں ہوں رات کا ایک بجا ہے
خالی رستہ بول رہا ہے

شب کی تنہائیوں میں پچھلے پہر
چاند کرتا ہے گفتگو ہم سے

ناصر کاظمی نے عمر بھر رات گئے جاگنے کی عادت قائم رکھی۔ ایک جگہ اپنے جاگتے رہنے کو فخر یہ انداز میں یوں بیان کرتے ہیں۔

داتا کی نگری میں ناصر
میں جاگوں یا داتا جاگے
کبھی فرصت ہو تو اے صبح جمال
شب گزیدوں کی دعا غور سے سن

ناصر کاظمی شب بیداری کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رات کو جاگ کر گزارنا چاہتے تھے اور خود سے کہتے تھے کہ آج رات جاگنا بڑی بات ہے۔ گزشتہ رات جاگ کر کاٹی ہے تو کیا ہے کہ جیسا۔ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

آج کی رات نہ سونا یارو
آج ہم ساتواں در کھولیں گے

راتوں میں یہ رات امر ہے
کل جاگے تو پھر کیا جاگے

روزانہ ساری رات جاگنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ناصر کو رات کو نیند نہیں آتی تھی بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ رات میں بہت سی باتیں اور بہت سے راز پوشیدہ ہیں جن کا سراغ صرف اور صرف جاگ کر ہی لگایا جا سکتا ہے۔ راتوں کو جاگنے کی وجہ سے بعض اوقات ناصر کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی سو جایا کرتے تھے کیونکہ رتجگے کی وجہ سے دن کو نیند آنا فطری عمل ہے۔ انہوں نے ان رتجگوں میں وہ سب کچھ تخلیق کیا جو ان کی زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ ہے۔ اس اثاثے میں وہ سب کچھ شامل ہے جس نے ناصر کی شخصیت اور شاعری کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جگمگا دیا ہے۔

معروف افسانہ نگار انتظار حسین اور معروف محقق سجاد باقر رضوی، ناصر کاظمی کے لاہور میں ابتدائی دنوں کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ انہوں نے ان گنت راتیں ناصر کے ساتھ جاگ جاگ کر گزاری ہیں۔ انتظار حسین کا کہنا ہے کہ ان راتوں کو ناصر کاظمی نے ہمیشہ اپنی گفتگو سے روشن کیے رکھا۔ ایک جگہ انتظار حسین لکھتے ہیں کہ میں نے رتجگوں سے بچنے کی ایسی کوشش کی جیسے سادہ دل لوگ شرابیوں کی صحبت میں بیٹھ کر شراب سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں خیر رتجگے کی لذت سے آشنا ہو جانے کے بعد بھی مجھے اس پر اصرار رہا کہ آدمی کو شب کی کسی نہ کسی منزل میں گھر کا رخ ضرور کرنا چاہیے جبکہ ناصر کا مؤقف یہ نہیں تھا۔

اسی طرح ان کے رتجگے کے دوسرے ساتھی سجاد باقر رضوی کا کہنا ہے کہ ناصر راتوں کو فطرت کی تمام تر معصومیت سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔ ہوا، چاندنی، خوشبو، ستارے، درخت اور زمین و آسمان کے درمیان کا خلا، اس کی زندگی کے ساتھی اور گزری ہوئی باتوں کا دکھ پرانی یادوں کے چراغ اور تخیل سے بنے ہوئے خواب ان کا سرمایہ تھے اور اب راتوں کی سنسان سڑکیں رات کے اس بے نوا مسافر کے قدموں کی چاپ سننے کو ترستی ہیں۔ ۵

وہ رات کا بے نوا مسافر، وہ تیرا شاعر وہ تیرا ناصر
تیری گلی تک تو ہم نے دیکھا تھا پھر نہ جانے کدھر گیا وہ

رات ہوتے ہی ناصر کاظمی گم صم ہو جاتے اور ایسے حالات میں تنہائی کے علاوہ انہیں کوئی ہمسفر نہیں بھاتا تھا۔ راتوں کے حوالے سے انہوں نے بہت سے اشعار کہے ہیں۔ ''برگ نے'' کے چند اشعار ملاحظہ کریں۔

کہاں ہے تو کہ تیرے انتظار میں اے دوست
تمام رات سلگتے ہیں دل کے ویرانے

پھر جاڑے کی رت آئی
چھوٹے دن اور لمبی راتیں

یہ شب یہ خیال و خواب تیرے
کیا پھول کھلے ہیں منہ اندھیرے

میں تیرے درد کی طغیانیوں میں ڈوب گیا
پکارتے رہے تارے ابھر ابھر کے مجھے
تیرے فراق کی راتیں کبھی نہ بھولیں گی
مزے ملے انہی راتوں میں عمر بھر کے مجھے
اس شہر بے چراغ میں جائے گی تو کہاں
آ اے شب فراق تجھے گھر ہی لے چلیں

ناصر نے بچپن ہی سے حیرانیوں کو سمیٹنا شروع کر دیا تھا اداسی اور رتجگے ان کی شاعری کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں۔ انہوں نے اداسی اور رتجگوں کو ایسے پیراہن عطا کیے ہیں کہ ہر طرح کے لباس سے اداسی محسوس ہونے لگتی ہے۔ ان کے نزدیک اداس رہنا محبت اور تخلیق کا باعث بنتا دکھائی دیتا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں

مل ہی جائے گا رفتگاں کا سراغ
اور کچھ دن پھرو اداس اداس

ناصر کے ہاں یہ اداسی بھی تخلیقی قوت بن گئی ہے۔ ان کی ذاتی اداسی کی جو گھٹا اٹھی وہ ساری کائنات پر پھیل گئی۔ ناصر کی اداسی میں سارا جہاں سمٹ آیا۔ ان کے کلام میں ایک قسم کی زیرلب افسردگی ملتی ہے۔ اس افسردگی کو نامرادی اور قنوطیت سے تعبیر کرنا مناسب نہیں۔ ان کے ہاں اداسی کا ایک خاص تصور ہے۔ اداسی انہیں قنوطیت پسند نہیں بناتی بلکہ حقیقت کو سمجھنے کا شعور اور اپنے آپ کو پہچاننے میں مدد دیتی ہے۔

تو جو اتنا اداس ہے ناصرؔ
تجھے کیا ہوگیا بتا تو سہی
چپ چپ کیوں رہتے ہو ناصرؔ
یہ کیا روگ لگا رکھا ہے
ہم پہ گزرے ہیں خزاں کے صدمے
ہم سے پوچھے کوئی افسانۂ گل

شاعر سارے معاشرے اور پوری کائنات کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی ذات سے نکل کر معاشرے کے دکھ درد میں شریک ہو اور ان کے جذبات و احساسات کو اپنے منفرد اور مؤثر لہجے میں کرے۔

دل تو میرا اداس ہے ناصؔر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

مٹی مٹی سے امیدیں تھکے تھکے سے خیال
بجھے بجھے سے نگاہوں میں غم کے افسانے

شہر در شہر گھر جلائے گئے
یوں بھی جشن طرب منائے گئے

اک طرف جھوم کر بہار آئی
ایک طرف آشیاں جلائے گئے

گھر کی دیواروں پر ناصؔر
اداسی بال کھولے سو رہی ہے

اداسی کی لہریں ناصر کے دل سے نکل کر قاری کے دل پر اثر انداز ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ بھی کچھ نہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک اداسی محبوب کو یاد رکھنے کا بھی ایک ذریعہ ہے جیسا کہ

مجھے یہ ڈر ہے کہ تیری آرزو نہ مٹ جائے
بہت دنوں سے طبیعت مری اداس نہیں

☆☆☆